محمد ادریس ایل

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے شاگرد

مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ الہند کے حکم پر کابل روانہ ہوئے وہیں سے روس، ترکی اور مکہ معظمہ میں ۲۲ سال سے زیادہ عرصہ گزار کر وطن واپس تشریف لائے۔ ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد ہے لیکن یہ شاگرد کوئی باقاعدہ سند یافتہ شاگرد نہیں بلکہ یہ وہ حضرات ہیں جو ان کے شریک جدوجہد رہے یا وقتاً فوقتاً انھوں نے مولانا سندھی سے استفادہ کیا۔ کچھ وہ ہیں جو کابل میں ساتھ تھے، کچھ مکہ مکرمہ میں مستفید ہوئے اور کچھ نے واپسی پر استفادہ کیا۔

موسیٰ جاراللہ

موسیٰ جاراللہ بہت بڑے روسی عالم دین تھے ان کا قیام لینن گراڈ میں تھا مولانا عبیداللہ سندھی نے روس میں انہی کے ہاں قیام فرمایا تھا۔

موسیٰ جاراللہ بہت بڑے روسی عالم دین تھے، حافظہ قوی تھا ۱۹۱۳ تک ان کی اڑھائی سو تصانیف قاہرہ سے شائع ہو چکی تھیں۔ موسیٰ جاراللہ کی اس کے بعد مولانا سندھی سے ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوئی تو وہاں ہی پانچ ماہ کی مدت میں انھوں نے مولانا سندھی سے فلسفہ شاہ ولی اللہ کا استفادہ کیا اور تفسیری نوٹ انھوں نے قلم بند کر لیے۔ انہی املائی تفسیری نوٹ کو انھوں نے ترتیب دیا اور الہام الرحمٰن کے نام سے اس تفسیر کو عربی زبان میں شائع کیا۔ موسیٰ جاراللہ اور مولانا سندھی میں مشترک بات یہ تھی کہ مولانا سندھی بھی انگریزوں کے دشمن تھے۔ اور اس لحاظ سے موسیٰ جاراللہ نے بھی بالشویکیوں کے سے کافی ایذا اُٹھائی تھی۔ انہیں بھی جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ موسیٰ جاراللہ ہندوستان بھی آئے حیدرآباد دکن اور لاہور میں ان کا وردد رہا۔

لیکن انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا۔ پھر وہ ترکی گئے وہاں وہ صاحب فراش رہے بعدازاں ترکی سے مصر چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

مولانا احمد علی لاہوری

مولانا احمد علی لاہوری سے مولانا سندھی کا نسبی رشتہ بھی تھا اور وہ ان کے شاگرد ہی نہ تھے بلکہ شریک جدو جہد رہے مولانا سندھی نے پہلی دفعہ شیخ حبیب اللہ مرحوم (والد ماجد مولانا احمد علی لاہوری) کی بیوہ سے نکاح کیا تھا۔ اس سے مولانا سندھی کا ایک لڑکا بھی ہوا لیکن وہ بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ اس طرح وہ مولانا لاہوری کے والد کے قائم مقام تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری نے مولانا سندھی سے قرآن کریم اور حدیث پڑھی۔ اور پھر مولانا نے ان سے وعدہ لیا کہ عمر بھر وہ قرآن کریم پڑھاتے رہیں گے۔ مولانا لاہوری نے اس کو خوب نبھایا اور پانچ ہزار کے قریب علما نے ان سے تفسیر پڑھی اس کے علاوہ ان کے مسجد شیرانوالہ میں درس قرآن کا شہرہ دور دور تھا اور علماء طلباء اور پڑھے لکھے نوجوان اس میں انتہائی ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔

سی آئی ڈی کی رپورٹ میں آپ کا تعارف اس طرح ہے۔ جب دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم ہوئی تو کچھ دن احمد علی طالب علم لیکن وہ جلد ہی پروفیسر بن گیا۔ بالآخر اسے نظارۃ المعارف القرآنیہ کا ناظم بنا دیا گیا۔

مولوی عبید اللہ سندھی نے کابل سے جو خطوط بھیجے تھے وہ مولانا احمد علی کے لیے تھے جس نے تمام خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کر دیئے تھے اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی۔ بی۔ اے۔ آف قصور، خواجہ عبدالحی آف گورداسپور، ڈاکٹر صدرالدین، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا۔

بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اسی میں ٹھہرا کرتے تھے۔

مولانا احمد علی لاہوری نے بھی کابل ہجرت کی تھی مگر حضرت سندھی نے انھیں واپس بھیج دیا۔

مولانا عبداللہ لغاری

مولانا عبداللہ لغاری ۱۸۷۱ء کو بمقام "دادلغاری" تحصیل میرپور ماتھیلو میں پیدا ہوئے ان کی ملاقات مولانا سندھی سے امروٹ شریف میں ۱۸۹۸ء کے لگ بھگ ہوئی اور وہ آپ کے شریک کار اور معتمد بن گئے۔ حضرت سندھی نے جھنڈا میں جو مدرسہ "دارالرشاد" کے نام سے قائم کیا مولانا لغاری اس کے مہتمم تھے۔ جب شیخ الہند کے حکم سے حضرت سندھی نے کابل کے لیے رخصت سفر باندھا تو مولانا لغاری ہمراہ تھے۔ دو سال بعد واپس آئے۔ ۱۹۲۶ء میں جب مولانا سندھی مکہ معظمہ پہنچے تو مولانا لغاری ان کی خدمت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے تفسیر قرآن اور فلسفہ شاہ ولی اللہ پر مولانا کے بیانات اور تقاریر کے نوٹس لیے۔

المقام المحمود مولانا عبداللہ لغاری ہی کے تفسیری نوٹ ہیں جس کے کچھ حصے ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ کی نگرانی میں شائع ہوئے تھے۔ باقی ڈاکٹر صاحب کے پاس محفوظ تھے۔ اب ڈاکٹر منیر مغل نے ان نوٹس کو بڑی محنت اور جانفشانی سے ترتیب دیا ہے اس کے علاوہ سرگزشت کابل بھی ان کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ مولانا لغاری سندھ یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر مقرر ہوئے اور چھ سال تک تفسیر پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں انتقال فرمایا اور سانگھڑ میں دفن ہوئے۔

ظفر حسن ایبک

ظفر حسن ایبک کرنال کے ایک زمیندار گھرانے میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے اور گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے کہ خلافت اسلامیہ ترکی کے خلاف اتحادیوں کی کارروائیوں سے دل برداشتہ ہو کر تعلیم چھوڑ دی اور آزاد علاقے سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے۔ ظفر حسن تقریباً بارہ سال مولانا سندھی کے ساتھ رہے اور انتہائی معتمد تھے انھوں نے قرآن اور شاہ ولی اللہ کا فلسفہ و حکمت مولانا سے پڑھی، مولانا کے سیکریٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا نے کابل میں سات سال میں تحریر کیا کہ:

> "ہمارا معتمد اس زمانے میں ظفر حسن رہا۔ افغانستان کی انگریزوں سے جنگ میں ظفر حسن سردار سپہ سالار کے ساتھ ٹل کے محاذ پر تھا اس کے کارنامے بہت زیادہ تحسین کے قابل سمجھے گئے اور سلطنت افغانیہ اسے برائے نام خدمت کرنے پر مقررہ تنخواہ دیتی رہی جس سے ہمارے کئی بھائی گزارہ کرتے رہے۔"

اس طرح ظفر حسن مولانا کے ہمراہ روس گئے مولانا کے کہنے پر روس کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا وہاں انھوں نے کیمونسٹ فلسفہ سے آگاہی حاصل کی جو لیکچر ہوتے ان کی تفصیلات مولانا سندھی سے زیر بحث لاتے۔ اپنے اسباق کا خلاصہ بھی مولانا سندھی کو پیش کرتے وہ فرماتے ہیں کہ:

کیمونسٹ تعلیم کے وہ پہلو جو اسلامی احکام اور عقائد کے خلاف تھے، مولانا پر واضح ہو گئے تھے میرے دل میں اس مضر تعلیم کی وجہ سے اسلام کے بارے میں جو شک و شبہ اور ذہنی تشویش پیدا ہو سکتی تھی۔ میں اس کو قبلہ مولانا کی خدمت میں عرض کر کے ان سے اس کا شافی اور اطمینان بخش جواب اور صورت حال پوچھ لیا کرتا۔ اس لیے خداوند کریم کے فضل سے میرے ایمان میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ (آپ بیتی)

روس سے ظفر حسن مولانا کے ہمراہ ترکی گئے۔ اور وہاں سے مولانا کے ساتھ مل کر ہندوستان کے لیے پروگرام ترتیب دیا بعد ازاں مولانا مکہ مکرمہ آ گئے ظفر حسن ترکی میں ہی رہے۔ ترکش آرمی استنبول کے آرٹلری کیپٹن کے عہدے پر فائز رہے۔ غالباً ایوب خان کے دور حکومت میں پاکستان بھی آئے۔

مولانا عبدالحی فاروقی

مولانا عبدالحی فاروقی بھی مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگردوں میں تھے۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی رکھتے تھے۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں یہ بھی حضرت سندھی سے تفسیر سنتے رہے۔ اس انداز میں انھوں نے بھی قرآنی افکار کے سلسلہ میں سورہ بقرہ کی تفسیر "الخلافۃ الکبریٰ" اور آخری پارہ کی تفسیر بھی لکھی حال ہی میں جمعیت علماء اسلام پنجاب کے ناظم مولانا سید عبدالمالک شاہ صاحب نے خواجہ صاحب کی تفسیر میں سے "بصائر" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ خواجہ صاحب کی طرز تفسیر میں مولانا سندھی کے انداز کی بھرپور جھلک ہے اور اسے بھی مولانا سندھی کے افادات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ جن دنوں مولانا سندھی کی تحریک ریشمی رومال کے خطوط پکڑے گئے اور نظارۃ المعارف کے متعلقین اور مولانا سندھی کے رفقاء زیر عتاب آئے تو ان میں خواجہ عبدالحی فاروقی کا نام بھی آتا ہے جنھیں نظر بند کیا گیا۔

مولانا غلام مصطفی قاسمی

مولانا سندھی مرحوم کے ان شاگردوں میں سے جو معتبر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا سندھی سے استفادہ کیا ہے مولانا غلام مصطفی قاسمی ہیں۔ مولانا قاسمی فاضل دیوبند ہیں اور ایک راسخ عالم

دین ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی پر جو علمی کام ہوا ہے اس میں ان کا خاصہ حصہ ہے۔ آپ نے کئی کتابوں پر حاشیے بھی تحریر کیے ہیں۔ مولانا صوفی عبدالحمید آف گوجرانوالہ کے مطابق انھوں نے مولانا سندھی کی مشہور کتاب "التمہید تعریف آئمہ تجدید" اپنے حاشیے کے ساتھ شائع کرا دئیں ہے جو بہت بڑا کام ہے خیر کثیر جو شاہ ولی اللہ کی کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ جو انھوں نے مولانا سندھی سے پڑھ کر ضبط کیا تھا وہ بھی شائع کرایا ہے۔ اس کے علاوہ وہ امام ولی اللہ کی متعدد کتابیں بمعہ مقدمات وضروری تشریحات کے شائع کروائیں ہیں۔ مولانا کی کتاب "سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہ کی نظریں" جسے المحمود اکیڈمی لاہور نے مولانا کی اجازت سے شائع کیا ہے۔ خاصی مقبول ہے مولانا قاسمی "الرحیم" اور "الولی" میں ادارتی نوٹ لکھتے ہیں "الرحیم" آج کل شاہ ولی اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کو ہمارے سروں پر ابھی سلامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر سلامت رکھے۔

پروفیسر محمد سرور

پروفیسر محمد سرور نے مولانا سندھی اور ان کے افکار کو سمجھنے اور اس کے بعد انھیں سمجھانے کے لیے جو کام کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ مولانا سندھی کے فکر پر ان کی اپنی علمیت اور طرز نگارش نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے اور یہ خوش قسمتی ہے ارباب فکر ولی اللہ کی کہ مولانا سندھی کو اس قدر پڑھا لکھا شاگرد میسر آگیا جو ان کے فکر کو آگے بڑھانے میں معاون ہی ثابت نہیں ہوا بلکہ اس میں مزید نکھار پیدا کیا۔ درحقیقت اس بات کا امکان ضرور ہے کہ پروفیسر صاحب نے مولانا کی ترجمانی میں غلطی کی ہے ان کی کتاب کی حیثیت یہی ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد کی تقریر کے نوٹس لے لے اور اس کے بعد اس کی تشریح وتوضیح میں لگ جائے پروفیسر صاحب کو خود اقرار ہے کہ :

> "جب کبھی مجھے مولانا کی مجلس میں بار ملتا آپ میری استعداد کے مطابق کسی موضوع کا انتخاب فرمالیتے۔ اور اس پر گفتگو کرتے ہیں چپ چاپ بیٹھا سنتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھار کوئی بات واضح نہ ہوتی تو سوال کی جرأت کرتا۔ مجلس ختم ہوتی تو میں مکان پر آکر مولانا کے ان ارشادات کو اپنی یادداشت کے لیے قلم بند کرلیتا۔ مولانا کے حضور کچھ لکھنا ممکن نہ تھا۔ ایک تو اس طرح لکھنے سے مولانا کے انہماک اور یکسوئی میں خلل آتا اور دوسرے گفتگو اتنی موثر اور دل ودماغ کو مسحور کرنے والی ہوتی کہ ذہنی تاثرات کو اس وقت قید تحریر میں لانا میرے

لیے مشکل ہو جاتا لاچار مجھے اپنے حافظہ پر ہی انحصار کرنا پڑتا۔ پروفیسر سرور گجرات قصبہ مدینہ مساوات کے رہنے والے تھے ہائی اسکول تک انھوں نے تعلیم گجرات ہی میں حاصل کی اس کے بعد وہ جامعہ ملیہ دہلی چلے گئے

پروفیسر سرور جامعہ ملیہ دہلی میں زیر تعلیم تھے جامعہ کے نصاب کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کی غرض سے وہ جامعہ ازہر مصر روانہ ہوئے۔ وہاں ان دنوں "فلسفیوں ف ازہر" شیخ وجودی اور ڈاکٹر حسین کے درسوں میں بیٹھتے رہے، پروفیسر صاحب کے مطابق ان دنوں مصر میں جدید و قدیم کی کشمکش جاری تھی۔ لہذا اس اس کشمکش میں دونوں جانب سے دلائل و براہین کے مطالعہ کا موقع ملا۔

مصر سے واپسی پر وہ جامعہ ملیہ میں استاد مقرر ہوئے۔ ان کے بقول میں خیالات کی گمنامیوں میں میں بھٹک رہا تھا کہ اپریل ۱۹۳۸ء میں شیخ الجامعہ کا حکم ملا کہ مولانا عبیداللہ سندھی جامعہ کے کسی استاد کو مکہ معظمہ بلا رہے ہیں۔ تم جلدی کرو فوراً روانہ ہو جاؤ حج بھی کر لوگے اور مولانا کی زیارت بھی ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا سندھی کے ذہن میں بہت کچھ موجود تھا۔ اور وہ اسے نئی نسل تک پہنچانا چاہتے تھے لہذا ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو ایسے جدید علوم سے باخبر ہو عربی، فارسی بھی سمجھتا ہو تاکہ مولانا کی باتوں کو سمجھ سکے لہذا انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین جو شیخ الجامعہ تھے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا پروفیسر صاحب نے شاہ ولی اللہ اور مولانا سندھی پر بہت کام کیا۔ ارمغان شاہ ولی اللہ ایک بہترین کتاب شاہ ولی اللہ کے افکار پر ترتیب دی اور یہ کام وہی کام کر سکتے تھے۔ "مولانا عبیداللہ سندھی" میں ان کے افکار کی توضیح و تشریح کی "خطبات و مقالات افادات و ملفوظات" کی ترتیب و تدوین بھی کٹھن کام تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے شاندار ترجمے کیے۔

کچھ عرصہ قبل ان کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ ان کے علاوہ مولانا عبیداللہ انور اور دیگر ولی اللہ فکر کے ترجمان علماء سے عمر بھر خوشگوار تعلقات رہے۔ پروفیسر سرور گجرات قصبہ مدینہ مساوات کے رہنے والے تھے۔ ہائی اسکول تک انھوں نے تعلیم گجرات ہی میں حاصل کی اس کے بعد وہ جامعہ ملیہ دہلی چلے گئے۔

شیخ بشیر احمد لدھیانوی

شیخ بشیر احمد لدھیانوی نے مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کی اشاعت و ترویج کے لیے بہت کام کیا۔ شیخ صاحب مرحوم مولانا کے معتمد رہے۔ شیخ بشیر احمد اگرچہ دینی علوم کے باقاعدہ عالم نہیں تھے۔ لیکن

عربی زبان سے ان کی وابستگی واستعداد اچھی خاصی تھی۔ انہوں نے مولانا سندھی کی املائی تفاسیر کا سلسلہ ادارہ بیت الحکمت کے تحت شائع کیا ہے اور ریچی بات یہ ہے کہ ان کی ترتیب مضامین اور ربط وضبط بے مثال ہے۔ انھوں نے مولانا سندھی کے تفسیری نکات کو جس طرح مربوط انداز میں شائع کیا وہ دوسروں سے بازی لے گئے باوجود عالم دین نہ ہونے کے انھوں نے بہت احتیاط سے کام لیا ان کے یہ سلسلہ ہائے تفاسیر مقبول بھی ہیں اور عام فہم بھی۔ نوجوانوں میں آج کل بڑی دلچسپی سے پڑھے جا رہے ہیں۔ انھوں نے جو شائع کروائی ہیں اور اس کے ساتھ دیگر رسائل طبع کروائے اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو مولانا سندھی کے انقلابی پروگرام سے مناسبت پیدا ہوئی۔ اب تک جو کتب شائع ہوئیں ان میں

۱۔ قرآن دستور انقلاب، سورہ مزمل ومدثر کی تفسیر

۲۔ قرآنی جنگ انقلاب، سورہ محمد کی تفسیر

۳۔ قرآن عنوان انقلاب، سورہ فتح کی تفسیر

۴۔ قرآنی اصول انقلاب، سورہ عصر کی تفسیر

۵۔ قرآنی اساس انقلاب، سورہ فاتحہ کی تفسیر

اس کے علاوہ امام ولی اللہ دہلوی کے عمرانی نظریات پر "ارتفاقات معاشیہ" بھی ان کی تصنیف ہے جس میں ان کے اقتصادی وعمرانی اصولوں کی خوب تشریح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مولانا عبداللہ لغاری کی ضبط کردہ حجۃ اللہ البالغہ سے ابتدائی سترہ ابواب کی تشریح شائع کی۔ رسالہ محمودیہ جو مولانا سندھی نے شاہ ولی اللہ کے مقام ومرتبہ کی توضیح کے لیے عربی وفارسی میں ترتیب دیا تھا۔ شیخ صاحب نے وہ بھی اردو ترجمے اور متن کے ساتھ شائع کیا۔

اس طرح لاہور میں جو احباب حضرت سندھی کے فکر کے حامل تھے ان میں مولانا مقبول عالم، غازی خدابخش، مولانا بشیر احمد لدھیانوی اور مولانا عبیداللہ انور نے ولی اللہ سوسائٹی پاکستان کے نام سے تنظیم قائم کی۔ اور مختصر رسائل شائع کرتے رہے اس طرح انھوں نے شاہ ولی اللہ کالج جس کا خاکہ مولانا سندھی کے ذہن میں تھا۔ اس کے لیے باقاعدہ زمین بھی خریدی لیکن یہ پروگرام بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

مولانا سعید احمد اکبر آبادی بہت بڑے عالم دین تھے۔ مولانا انور شاہ سے ان کا نسبی تعلق تھا مولانا ان علماء دین میں سے تھے جن کا دینی علوم کا گہرا تجربہ ہو۔ جدید و قدیم علوم کے ماہر تھے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے مولانا کا تعلق مولانا سندھی سے ان کی وطن واپسی پر ہی پروان چڑھا۔ جب مولانا واپسی پر دہلی میں منتقل ہوئے تو مولانا نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور دیگر حضرات کے کہنے پر حجۃ اللہ البالغہ کا درس شروع کر دیا۔ درس کے بعد مولانا سوالوں کے جوابات دیتے تھے مولانا سعید احمد کے بقول:

”مولانا کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح حجۃ اللہ البالغہ ان سے سبقاً سبقاً پڑھ لوں، اور پھر ان کے ارشادات کی روشنی میں اس کی شرح اپنے الفاظ میں لکھوں“۔

لیکن ایسا موقع نہ آسکا۔ یہ بجا ہے کہ مولانا سندھی سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو زیادہ استفادے کا موقع نہیں ملا لیکن انھوں نے جس طرح ان کا دفاع کیا ہے وہ ایسے ہے جیسے مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بہت عرصہ ان کے ساتھ گزارا ہو۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ ان شاگردوں کے علاوہ بہت سے ہیں جن کے ساتھ دیگر تلامذہ کا بھی ذکر بھی کیا جاتا ہے مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نے ان کا تذکرہ اپنی بساط کے مطابق کیا ہے۔ ان کے مطابق مولانا سلطان محمود سابق صدر مدرس فتح پور دہلی بھی مولانا کے شاگردوں میں سے تھے۔